درس نمبر 29

دروس سلوک وتصوف

صاحبزادہ مسکین فیض الرحمٰن درانی

مرکزی امیر تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل

سالک کے لئے علم نافع کا حصول عمل احسان ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام پاک قرآن مجید فرقان حمید سے ہم علم کے اس اسلامی تصور کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں، کہ جو سالک اور صوفی کے لئے شریعت اور طریقت کے منازل طے کرانے اور حقیقت تک پہنچنے میں مدو معاون ہوتا ہے۔ جاہل اور عالم سالک کے درمیان کیا فرق ہوتا ہے۔اس کی وضاحت قرآن حکیم کی آیات کریمہ اور احادیث نبوی سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ،۲:۳۱) ''اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے''۔ اور سورہ علق میں فرمایا:۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ه (العلق،۹۶:۵) ''جس نے انسان کو (اس کے علاوہ بھی) وہ (کچھ) سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

گزشتہ درس میں ہم تخلیق آدم سے پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ملائکہ کے مکالمہ (Dialogue) کا ذکر کر چکے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کا مکالمہ بطریق اعتراض نہ تھا، بلکہ بطریق استفادہ تھا اور جس سے نہ صرف فرشتوں کو فائدہ ہوا بلکہ تا قیامت اولاد آدم کے مستفید اور مستفیض ہونے کا موقع پیدا ہوا۔

ابلیس نے مکالمہ (dialogue) کی بجائے بحث (debate) اور اعتراض(objection|) کا راستہ اپنایا۔اس کا مقصد حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے آپ کو بہتر اور برتر ثابت کرنا تھا، اس کی نگاہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم پر نہ تھی بلکہ اللہ جل مجدہ کی تخلیق، حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے وجود کے اجزائے ترکیبی پر تھی، اس نے صرف جزو کو دیکھا، لیکن کل کو نہ دیکھ سکا، اس کی نظر حضرت آدم علیہ السلام کے جسد خاکی تک محدود رہی، لیکن اس کے اندر موجود نور محمدی کا پرتو نہ دیکھ سکی، نور محمدی ﷺ اس کی محدود بصارت

وبصیرت سے ماوراء تھا، سوہ بقرہ کی آیت نمبر 30 کے مطابق جس وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ گروہ ملائکہ سے زمین (planet earth) پر اپنے خلیفہ کے تقرر بارے ارشاد فرمارہا تھا، اس وقت کائنات والنفس میں اللہ کے خلیفہ انسان کامل حضرت محمد مصطفیٰ مجتبیٰ ﷺ کا ذکر مبارک نہیں ہو رہا تھا، اگر ایسا ہوتا تو کہاں فرشتے ، اور کہاں عزازیل ، کسی بھی استفسار ، استفہام اور اعتراض کی جرات ہی نہ ہوتی، سب کے سر حکم ایزدی سے نور محمدی ﷺ سامنے جھک جاتے، کیونکہ آفاق والنفس کی تخلیق میں اللہ جل شانہ کے ازلی منصوبوں میں آپ ﷺ ہی مرکزی کردار ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے:۔

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ "میں ایک بند خزانے کی مانند تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، اس لئے میں نے کائنات پیدا کی،،

تخلیق کائنات کا مقصد بھی تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو دیکھنے اور پہچاننے والے عارف واحد کا ظہور تھا، نبی محتشم ﷺ کا وجود پاک اللہ تعالیٰ کی وہ کائنات ہے، کہ جس کے ذرہ ذرہ سے تا قیامت اربوں کھربوں بے حدوشمار مادی کائنات (COSMOS) وجود میں آتی چلی جا رہی ہیں ۔ اللہ جل شانہ اور اس کا محبوب پاک ﷺ ہی جانتے ہیں کہ کتنی مدت وادوار کے بعد تخلیق آدم اور ان کی خلافت کا معاملہ سامنے آیا، آدم علیہ السلام تو انسان حقیقی ﷺ کا عکس تھے یہ تو پرتو محمدی ﷺ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا واقعہ تھا۔ اس وقت فرشتے اور جنات بھی نور محمدی ﷺ سے تخلیق پا چکے تھے، کائنات میں ان کے علاوہ اور بھی ہزاروں لاکھوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلوقات موجود تھیں، جو نور محمدی کے پرتو سے ظہور میں آ چکی تھیں اور ام الکتاب (Design book of Universe) میں ان کا ذکر درج تھا۔ ابلیس کی نگاہ انسان حقیقی ﷺ کے نور جمال کو دیکھنے سے قاصر تھی، یہ بات غور طلب ہے کہ دنیا میں بھی شیطان صفت افراد تاویلات میں گم ہو کر نور مصطفوی کی شعاعیں محسوس کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔ عقل کا حجاب ان کی بصارت وبصیرت پر چھا جاتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عکس محمدی حضرت آدم علیہ السلام پر کرم فرما کر صدقہ محمدی سے ان کو کائنات میں موجود سب اشیاء کے اسماء کا علم (knowledge) عطا فرمایا۔ یہ انسانیت کے لئے ایک قابل فخر انعام ہے کہ اسی سے انسان دوسری تمام مخلوقات سے ممتاز ہوا، لفظ كُلَّهَا کی ضمیر کائنات (COSMOS) کی طرف ہے اور عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ سے مراد کائنات میں موجود تمام مخلوقات کی وہ پہچان تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کو کرا دی گئی۔ یہ پہچان اور ادراک اس کی فطرت (Nature) میں بھی لکھ دیا گیا، حقیقت کی جستجو (search of reality) انسان کی فطرت بالقوہ میں پنہاں ہے، اقرار الوہیت ،نیکی بدی کی تمیز، بصیرت نفس (insight

(of self   اور امانت کی ذمہ داری کا احساس یعنی فطرت بالقوہ (potential nature) کے لوازمات (essentials) سے   انسان پیدائشی طور پر بہرہ ور ہوتا ہے اور طبعاً اسی طرف راغب ہوتا ہے، فطرت سلیمہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ نبی محتشم ﷺ کی متفق علیہ حدیث ہے کہ ''کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت صحیحہ پر پیدا نہ ہوتا ہے، بعد میں اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔،،

خالق جل شانہ کی تخلیقات کی سمجھ انسان کی تقدیر ہے، اس لئے علم الاشیاء؛ جسے دور جدید میں مضامین سائنس کہا جاتا ہے، مثلاً حیاتیات (Biology)، کیمیا (Chemistry)، طبعیات (Physics) عمرانیات (Sociology) نفسیات (Psychology) معاشیات (Economics) تاریخ (History) قانون (Law) نیوکلیئر ٹیکنالوجی (Nuclear Technology) خلائی سائنس (Spase Science) کمپیوٹر سائنس (Computer Science)، منظمیت (Management) ابلاغیات (Mass Communication) اور تجارت (Commerce) وغیرہ کے علوم سب دینی علوم ہیں، بشرطیکہ ان سے معرفت الٰہی میسر آئے، اور ان کو انسانیت کی فلاح و بہبود کی نیت سے حاصل کر کے ان کے ذریعے تہذیب وتمدن اور انسانی قدروں کو پروان چڑھایا جائے، ان سے مقصود انسانیت کی تباہی و بربادی نہ ہو، اس اعتبار سے ان علوم کو خالصتاً دینی علوم۔ مثلاً علم القرآن، علم التفسیر، علم الحدیث، علم الفقہ، علم النحو، علم الصرف اور علم التصوف ہی کی طرح دینی علوم کہا جاسکتا ہے۔

سلوک وتصوف کے دو بنیادی اصولوں ''تحسین علاقۃ الانسان باللّٰہ اور تحسین علاقۃ الانسان بالانسان،، پر عمل کرنے کے لئے سالک کو سب سے پہلے خالص علوم دینیہ کی تعلیم کا حصول اس حد تک واجب ہے، کہ جس سے وہ حقوق اللہ، ارکان اسلام، حلال وحرام، مکروہات تحریمی اور تنزیہی میں تمیز کے قابل ہو سکے، اور اپنی انفرادی زندگی کے مقصد؛ یعنی رضائے الٰہی کے حصول کے لئے شریعت محمدی ﷺ کے مطابق جدوجہد کر سکے، جب اس کی زندگی کے منصوبے (plan) کا محرک (incentive)، تزکیہ نفس (self purification)، تصفیہ باطن (purification inner)، طریق کار (procedure)، منصوبہ جات کی عملی اساس (practical base)، فعل احسان (benovolence) اور نمونہ کمال (model of perfection) نبی محتشم ﷺ کا اسوہ حسنہ اور تعامل صحابہؓ ہو گا تو اللہ سبحانہ وتعالی کے فضل سے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی صحیح بجا آوری کرنے کے قابل ہو جائے گا، جب انسان کی انفرادی زندگی کے اعمال اور سلوک متصوف (purified) ہو جاتے ہیں۔ اس کا نفس امارہ، تزکیہ کے سلوک اور نیکی اور بدی کے امتیاز سے صاف

ہو کر نفس ملہمہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، جب اس کے اندر تقویٰ اور پرہیزگاری غیر محسوس طور پر گھر کر لیتی ہے، تو اس کا نفس ''مطمئنہ''، بن جاتا ہے، جب اس کا مطمئن نفس ہر حال میں اپنے خالق و مالک رب العالمین سے اس کے ہر کام، عمل اور سلوک پر راضی ہو جاتا ہے، تو وہ ''نفس راضیہ'' میں بدل جاتا ہے اور جب اس کے سلوک، تصوف، انفاق اور احسان سے اللہ جل شانہ اس سے راضی ہوجاتا ہے، تو اس کا نفس ''مرضیہ''، بن جاتا ہے، انسان کے لئے یہ وہ مقام مرتضٰی ہوتاہے، جب اس کا نفس کاملہ بن جاتا ہے، اس وقت حقیقت الحقائق جل شانہ اس کے سامنے سے سارے حجابات دور کر کے اسے اپنے بندوں میں شامل ہونے اور اپنے ہاں جنت کی پر سکون فضاؤں میں آنے کی ندا سناتا ہے۔ یہ **تحسین علاقۃ الانسان باللّٰہ** یعنی انسان کے لئے اپنے خالق و مالک اللہ سبحانہ وتعالی کے ساتھ ''تعلق''، کو خوبصورت اور حسین بنانے کا وہ عمل ہے، جسے حقوق اللہ بھی کہا جاتا ہے، سالک اور صوفی کی انفرادی زندگی کی جدوجہد اس مقصد کے لئے ہوتی ہے، اور اسی کے لئے علم، نیت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں:۔

مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتفقَّه فَقَدْ تَذَنْدَقَ وَمَنْ تفقَهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفُ فَقَدْ تَفَسَّقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَ الهَاتَيْنِ فَقَدْ تَحَقَّقَ.

''جو صوفی بن جائے اور عالم نہ ہو، وہ زندیق ہو جائے گا اور جو عالم ہو اور صوفی نہ بنے، وہ فاسق ہے اور جس میں یہ دونوں چیزیں (علم اور تصوف) ہوں، وہ حقیقت کو پہنچ جائے گا۔''

سالک کے لئے سب سے پہلے علوم دینیہ کا اتنا حصہ جاننا ضروری ہوتاہے کہ جس سے وہ اپنا عقیدہ درست رکھ سکے، بدعقیدگی اور گمراہی کا شکار نہ ہو، وہ بدعقیدہ، گمراہ افراد، جعلی بے علم ڈبہ اور ڈبل شاہ قسم کے پیروں، نام نہاد خود ساختہ سجادہ نشینوں اور پیشہ ور خلیفوں کے چکر میں نہ پھنسے، شریعت کے مطابق عبادات، نوافل، اوراد و وظائف کرے، ٹونہ، ٹوٹکہ، شعبدہ بازی، جادو، کہانت اور جھوٹے عاملوں سے بچے، قرآن، سنت صحابہ اور سلوک وتصوف کے مستند علماء ومشائخ کی تعلیمات کا مطالعہ کر کے اس پر حتی الامکان عمل کرنے کی کوشش کرے۔ اور صحیح مرد مومن اور مرشد کامل کی پہچان کے قابل ہو سکے، سلوک وتصوف کے اعمال اور اشغال کے لئے علم، ارادہ اور عمل کی ضرورت ہوتی ہے۔

سلوک وتصوف کا دوسرا اصول ''**تحسین علاقۃ الانسان بالانسان**''، ہے۔ جسے حقوق العباد بھی کہتے ہیں۔ دنیا کا ہر وہ کام جو ایک انسان دوسرے انسان اور معاشرہ کی فلاح، بہبود اور تہذیب انسانی کے فروغ اور ترقی کے لئے کرتا ہے، وہ علم نافع یعنی نفع پہنچانے والے علوم کے ذریعے کرتا ہے۔ مثال کے طور پر سبزی بیچنا،

سبزی اُگانا اور کھیتی باڑی کے کام کا تعلق علم، مہارت، تجربہ اور رویہ سے ہے،ایک شخص رزق حلال کمانے کے لئے سبزی بیچتا ہے، دوسرا شخص یہ سبزی خریدتا ہے، وہ اس کو گھر لے جا کر خاتون خانہ کے حوالے کرتا ہے، جس سے وہ اپنے بچوں اور گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرتی ہے، جو سب مل کر کھاتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ سب افراد جو سبزی بیچنے ،خریدنے ، پکانے اور کھانے میں شریک ہوئے، سب نے ایک دوسرے کے ساتھ کوئی نہ کوئی سلوک کیا۔ اگر یہ سب کام اللہ تعالی کی رضا اور حکم کے مطابق سرانجام پائے تو یہ سب نیک سلوک ہوئے، جس سے اللہ سبحانہ وتعالی بھی خوش اور سبزی بیچنے اور خریدنے والے سے لے کر کھانے والا سب خوش ہوئے، مخلوق کی اس خوشی سے اللہ تعالی خوش ہوتا ہے۔یہ حقوق العباد بھی ہے، اور حقوق اللہ بھی ہے۔

اب ہم ان سب تمام کاموں اور لوگوں کا ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر لوگوں نے کسی ایک خاص سلوک یا بہت سارے سلوکوں میں حصہ لیا، تین چیزیں ان سب میں مشترک ہیں، سب سے پہلا کام "علم" کا ہے، دوسرا کام "نیت، خواہش اور ارادہ" کا اور تیسرا کام "ہمت، طاقت اور عمل" کا ہے،سبزی بیچنے والے دوکاندار کے لئے یہ "علم" ضروری ہے کہ اس کی دوکان پر کسی قسم کی سبزی کی مانگ ہے، لوگوں نے کونسی سبزی خریدنی ہے، لوگوں کو ضرورت کس سبزی کی ہے،اس نے وہ سبزی، کس طرح سبزی منڈی سے جا کر خریدنی ہے، اس نے سبزی منڈی کیسے جانا ہے، سبزی کیسے اور کس دوکاندار سے خریدنی ہے،سب سے اچھی سبزی ، اچھے داموں کہاں سے ملتی ہے، سبزی خریدنے کے بعد وہ سبزی کو کس طرح اپنی دوکان پر لائے گا،کھیت سے سبزی منڈی اور وہاں سے دوکان پر لائی جانے والی سبزی ایسی صاف ستھری نہیں ہوتی، کہ دوکان پر لاکر فوراً بکنے کے قابل ہو،اس پر مٹی کیچڑ وغیرہ لگا ہوتا ہے، گاہک مٹی کیچڑ لگی گندی سبزی خریدنا پسند نہیں کرتا، لہذا سبزی بیچنے والے دوکاندار نے محنت کر کے سبزی کو اتنا صاف کرنا ہے کہ وہ گاہک کو بھا جائے اور وہ اسے خرید لے،سبزی فروش سبزی خریدنے سے لے کر بیچنے تک کے تمام مصارف اور اخراجات کا حساب کر کے مناسب منافع لگا کر سبزی کی قیمت فروخت کا تعین کرے گا۔وہ اتنا منافع ضرور کمائے گا کہ اس کی دوکان کے خرچہ کے علاوہ اس کے گھر کا خرچہ بھی منافع سے مل جائے اور آئندہ کاروبار بھی چلتا رہے، اسی طرح اس کی سبزی کے معیار اور نرخ سے گاہک بھی اتنا مطمئن ہو کہ وہ آئندہ بھی اسی سے سبزی خریدنے آ جایا کرے۔

سودا بیچنے اور خریدنے والے کا یہ رشتہ (relation) ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعلق (علاقة الانسان بالانسان) کے اصول پر مبنی ہوتا ہے،سودا بیچنے اور خریدنے والے کا "سلوک" اگر علم نافع اخلاص اور عمل احسان کے مطابق ہو تو اس میں ایک دوام ہوتا ہے، مرشد و مرشد اور مراد و مرید کے درمیان "سلوک"

میں جب دونوں جانب سے تصوف ہوتا ہے، دونوں کی ''نیت،، میں اخلاص، فطرت ثانیہ (second nature) بن جاتا ہے، تو فطرت بالفعل (actual nature) شعور (conscience) اور شعوری افعال فطرت بالقوہ (potential nature) یا لاشعور، نیکی کے ان تقاضوں کے تحت آ جاتے ہیں، جو انسانی فطرت میں الوہی طور پر ازل سے درج اور اس کا مقدر ہوتے ہیں، یہی انسان کی تقدیر ہوتی ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو ''عِلْمُ الْاَسْمَاء،، کا سکھایا جانا اس بات کا ثبوت ہے کہ کائناتی علوم کا ادراک انسان کی فطرت میں لکھ دیا گیا ہے اور یوں خالق کی تخلیقات کی سمجھ انسان کی تقدیر بن جاتی ہے، اس لئے ''عِلْمُ الْاَشْیَاء،، جس کو ہم سائنسی علم سے تعبیر کرتے ہیں، ان کا ماننا، پڑھنا، سمجھنا، ان کو تجربہ (experiment) سے آگے بڑھانا اور ان پر دسترس (expertise) حاصل کرنا ایک فطری انسانی عمل ہے، دنیائے انسانیت میں ہر فرد و بشر میں عالم اور سائنسدان بننے کی فطری صلاحیت موجود ہے، علم کا حصول پوری بنی نوع کا بنیادی حق ہے، جو اس کو حاصل کرنے کے لئے محنت کرتا ہے، اس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کی محنت کا پھل دیتا ہے، مسلمان کے لئے فرمودۂ رسول مکرم ﷺ ہے کہ علم مسلمانوں کی گمشدہ میراث ہے، جامع بیان العلم وفضلہ کی جلد اول صفحہ ۷ پر حضرت رسالتمآب ﷺ کا فرمان یوں درج ہے کہ اُطْلُبُو الْعِلْمَ وَلَوْبِالصِّیْنِ فَاِنَّ طَلَبَ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ''علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے، بے شک علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ مسلمان علماء، فقہا اور سائنسدانوں نے جو اپنے اپنے دور کے اعلیٰ ترین سالکین اور صوفیاء تھے، اپنے نبی اکرم ﷺ کے فرمان عالیشان پر کماحقہ ایسا عمل کیا کہ علم، حکمت اور سائنس کی دنیا میں ان کے علوم کی بنیاد پر آج پوری دنیا میں علم اور حکمت کا پھریرا بام عروج پر لہرا رہا ہے۔ وہ زمانہ جس کو اہل یورپ دنیا کے تاریک دور (Dark age) سے موسوم کرتے ہیں، اور جو دور واقعی پوری دنیا؛ امریکہ، یورپ، ایشیاء، افریقہ اور آسٹریلیا کے لئے دور سیاہ تھا، ساری دنیا اس وقت جہالت کے گھور اندھیروں اور بھیانک ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کفر، شرک اور گمراہی نے ساری دنیا میں علم کے چراغ گل کر دیئے تھے، جہالت کے عفریت نے حکمرانوں، آمروں، امراء، روساء اور حکومتی عمال کو اپنے شکنجہ میں جکڑ کر انہیں عوام الناس پر خدائی کرنے کا یقین دلایا تھا، بے علمی اور جاہلیت کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی یہ حقیر مخلوق خود اس کے مقابلے میں خدائی کا دعویٰ کر رہی تھی، ظالم آمرین اور حکمران رعایا کی گردنوں کو اپنے سامنے جھکانے پر مجبور کرتے تھے، اور جو ایسا کرنے سے انکار کرتا، اس کی گردن کاٹ لی جاتی تھی۔ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے واقعی وہ دور عالم انسانیت کے لئے سیاہ دور (Dark Age) تھا۔ نور اسلام کی شعاعوں اور علم کی روشنیوں سے دنیا جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکل کر اجالے میں آ گئی۔